سیکولر ذہن کی تشکیل

خدا نا آشنا مملکت کے لیے جدیدیت کی تلاش

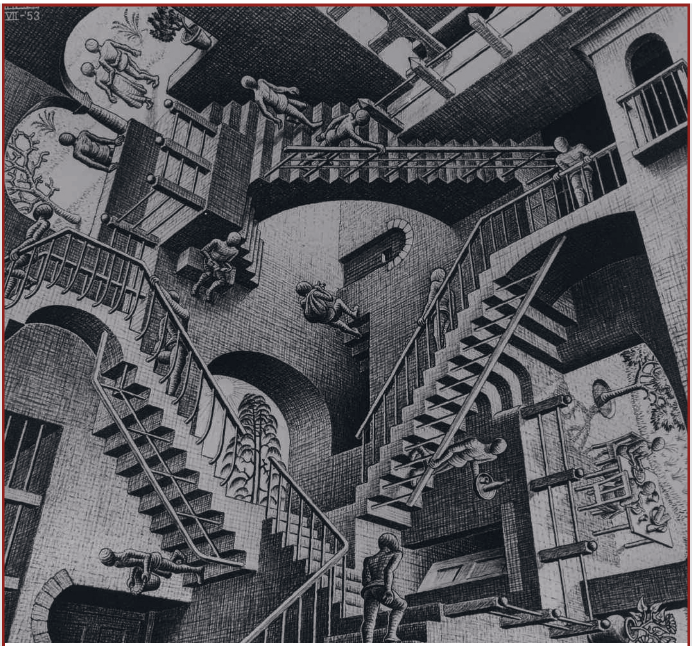

MAPPING THE SECULAR MIND

MODERNITY'S QUEST FOR A GODLESS UTOPIA

حجاج علی

IIIT Books-In-Brief Series

سیکولر ذہن کی تشکیل

خدا نا آشنا مملکت کے لیے جدیدیت کی تلاش

مصنف

حجاج علی

مترجم

عدنان احمد ندوی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

© IIIT, 1444 AH / 2023 CE
IIIT, P.O. Box 669, Herndon, VA 20172, USA • www.iiit.org
P.O. Box 126, Richmond, Surrey TW9 2UD, UK • www.iiituk.com

اس کتاب کے حقوق محفوظ ہیں۔قانونی ضوابط اور متعلقہ اجتماعی لائسنس معاہدوں کی دفعات کے تحت اس کتاب کے کسی حصے کو ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر دوبارہ شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ISBN: 978-93-80946-44-3

کتاب میں پیش کیے گئے خیالات کا ناشر کے خیالات سے ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے۔کوئی تیسرا شخص کتاب کو ویب سائٹ یا کسی اور ذریعے سے عام کرتا ہے،تو اس کے مصدرِ اصلی کے مطابق ہونے کی ذمہ داری ناشر کی نہیں ہے۔

سیکولر ذہن کی تشکیل: خدانا آشنا مملکت کے لیے جدیدیت کی تلاش

(اردو)

Secular Zehan Ki Tashkeel: Khuda Na Aashna Mamlikat Ke Liye Jadidiyat Ki Talash

حجاج علی

مترجم: عدنان احمد ندوی

اصل کتاب Mapping the Secular Mind: Modernity's Quest for a Godless Utopia کا ترجمہ

آئی آئی آئی ٹی کی مختصر کتابوں کا سلسلہ

اصل انگریزی کتاب آئی آئی آئی ٹی سے ۲۰۱۳ میں شائع ہوئی۔

ہندستان میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز،نئی دہلی سے پہلے اردو ترجمے کا سالِ اشاعت ۲۰۲۳

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

email: ios.newdelhi@gmail.com / www.iosworld.org

تقسیم کار

الاتحاد پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ

B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013

Tel.: +91-11-41827475, 24352732, 24352048

email: alittehad@gmail.com

قیمت:-/55

فہرست

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ ۵

پیش لفظ.. ۷

باب اوّل: تعارف ۹

باب دوم: انتہا پسند روشن خیالی ۱۹

باب سوم: جدیدیت بہ طور عرفانی بیانیہ.. ۲۳

باب چہارم: جدیدیت کے نتائج کی نشان دہی ۲۷

باب پنجم: بومان اور مابعد جدیدیت سیکولر معمہ ۳۳

باب ششم: المسیری اور مابعد جدید سیالیت ۳۵

❖❖❖

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا یہ سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے۔ مختصر، پڑھنے میں آسان اور وقت کو بچانے والی یہ اجمالی تحریریں دراصل بڑی بڑی کتابوں کے انتہائی موزوں اور احتیاط سے تحریر کردہ خلاصے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتابچے قارئین کو اصل کتاب کے مطالعے پر ابھاریں گے۔

حجاج علی کی کتاب ''Mapping the Secular Mind: Modernity's Quest for a Godless Utopia'' اپنی مکمل شکل میں ۲۰۱۳ میں شائع ہوئی، سیکولر نظریے کے حاملین کا عظیم منصوبہ تھا کہ وہ جنت ارضی قائم کریں۔ ایسی دنیا، جو دنیا و مافیھا (Here and Now) کے اصول پر قائم ہو۔ ایک ایسی جدید تہذیب، جہاں انسانی عقل، عقلیت پرستی اور ترقی پسندی کی بالادستی ہو۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی شک نہیں کہ خدا آشنا انسانیت کو تصور خدا اور مذہب کی زنجیر سے آزاد کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

''سیکولر ذہن کی تشکیل'' نامی یہ کتاب عقلیت اور سیکولر مادیت کا تنقیدی جائزہ پیش کرتی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان عقلی تصورات اور دنیا کی تشکیل کے طریقۂ کار نے کس طرح انسانوں کے باہمی جذبۂ تعاون اور سماجی ترقی پر اثر ڈالا ہے۔ یہ جائزہ عرب دانش ور رہنما عبدالوہاب المسیری (۱۹۳۸-۲۰۰۸) اور ممتاز ماہر سماجیات زیگ مونت بومان (۱۹۲۵) کی آرا و افکار کے تقابل اور محاکمے پر مشتمل

ہے۔ گزشتہ کچھ دہائیوں میں جدیدیت کے مغربی تنقید نگاروں نے مسلم دانش وران کو ایسے جدید افکار و خیالات اور نظریات و تصورات کو فروغ دینے پر آمادہ کیا ہے، جن سے سیکولر جدیدیت اور اس کے نتائج و تغیرات کے تئیں مسلم مفکرین کا موقف معلوم ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیکولر جدیدیت کس طرح خوش اسلوبی سے حقائق پر پردہ ڈالتی ہے؟

یہ کتاب سیکولر نظریے کی بنیاد کو چیلنج کرتی ہے اور بحث کرتی ہے کہ سیکولر نظریے کی امنگ نے انسانی شعور اور احساس خودی کی ہیئت تبدیل کر دی ہے اور اس کو گہرا نقصان پہنچایا ہے، اس طرح کہ اس نے انسان کو بے مقصد و بے فائدہ مخلوق، خواہشات کا پجاری اور مادہ پرست قوانین کی زنجیر میں جکڑ کر جسمانی مظاہر کا خوگر بنا دیا۔

اس کے علاوہ یہ کتاب اس تصور کو بھی واضح کرتی ہے کہ فاشسٹ جرمنی اور یوجینکس تحریک نظریۂ ڈارونزم ہی کی ایک شکل ہے۔ یہ تمام جدیدیت کے بنیادی اصولوں سے الگ وجود نہیں رکھتی، بل کہ مؤلف کتاب کا کہنا ہے کہ یہ تمام تحریکیں جدید عالمی نظریہ کا مستقل نتیجہ ہیں، جس میں خود ساختہ تباہی کا بیج فلسفے کے ہر خدوخال میں بو دیا گیا ہے۔

یہ کتاب حجاج علی کے ذریعے کی گئی ان کی درج ذیل اصل کتاب کی تلخیص ہے:

Mapping the Secular Mind: Modernity's Quest for a Godless Utopia

Haggag Ali

ISBN hbk: 978-1-56564-594-3

ISBN pbk: 978-1-56564-593-6

2013

پیش لفظ

یورپ کے صنعتی انقلاب نے زندگی کے ہر گوشے کو متأثر کیا۔ اس سے فرد بھی متأثر ہوا اور معاشرہ بھی۔ ایک طرف نئے نئے مسائل سامنے آئے تو دوسری طرف انسانی زندگی مشینی زندگی میں تبدیل ہوگئی۔ عام انسان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا کہ وہ اپنے گردوپیش پر نظر ڈالے اور پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کرے۔ لیکن اس صورت حال کے نتیجے میں جدید مسائل کے انبار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ روز بہ روز ایک نیا مسئلہ سر اٹھاتا اور اہل علم کو دعوتِ فکر و تحقیق دیتا رہا۔ الحمد للہ اہل علم نے اپنی ذمے داری کو محسوس کیا۔ نئے مسائل کو فکر اسلامی کے تناظر میں حل کرنے کی شان دار کوششیں کیں اور بڑے اہم موضوعات پر چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں علمی وفکری مواد پیش کیا۔ گویا دریا کو کوزے میں سمو دیا، تا کہ ہر صاحبِ علم کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔

زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں عہد حاضر کے ایک سلگتے ہوئے موضوع پر بڑے علمی وفکری انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ موضوع کے تمام علمی گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف نے پوری مضبوطی کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر دیا ہے، تا کہ موضوع کی اہمیت واضح ہو۔ اس کے مختلف گوشے سامنے آئیں اور عصری تناظر میں اس کو فکر و تحقیق کا موضوع بنانے کی راہ ہموار ہو۔

ہمیں امید ہے کہ مختصر کتابوں کا یہ پورا سلسلہ وقت کے بہت سے اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی مطالعے کی راہ ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

باب اول

تعارف

گزشتہ کچھ دہائیوں میں جدیدیت کے مغربی نقادوں نے مسلم دانش وران میں نئے افکارونظریات اور نئے تصورات کوفروغ دینے کا احساس پیدا کیا ہے، جو سیکولر جدیدیت، اس کے نتائج اور تبدیلیوں کے متعلق ان کے موقف کو بیان کرتے ہیں۔ جدیدیت کو بالعموم روشن خیالی کے بلند نظریات کے مساوی اور بالخصوص جدیدیت، عقلیت اور ترقیات کے متوازن قرار دیا جاتا ہے، جن کا مقصد ایک عقلیت پرست ترقی پسند نظام قائم کرنا ہے، لیکن اس نظریے میں دوسری عالمی جنگ کے بعد بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی۔ جدیدیت کے غالب تصور کے عیوب ظاہر کرنے کی کوشش میں عرب دانش ورعبدالوہاب المسیری (۱۹۳۸-۲۰۰۸) نے مغربی تنقیدی ورثے سے خوب استفادہ کیا۔ جدیدیت پران کی تنقید جدیدیت کواسلامائز کی کوشش کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ محض مغربی تنقید کا مجموعہ بن کررہ گئی۔

تقریباً چار دہائیوں تک المسیری ''مغربی جدیدیت کے فلسفیانہ مطالعہ اور یہودیت وصہیونیت کے ساتھ اس کے تعلقات'' تحقیق میں مصروف رہے۔ المسیری بالعموم امریکا میں اپنی عارضی اقامت کو ایک اہم مرحلہ قرار دیتے ہیں، جس نے مغربی جدیدیت کی تبدیلیوں کو ''عملیاتی'' نتیجے کے طور پر سمجھنے میں ان کی ذہنی تشکیل کی ہے، جو ٹھوس عقلی مادیت سے شروع ہوتی ہے اور لکوڈ غیر عقلی مادیت پرختم ہوتی ہے۔ ان کی امریکا میں یہ عارضی اقامت ۶۳-۱۹۶۹ اور ۷۵-۱۹۷۹ کی دو الگ الگ مدتوں میں رہی ہے۔[۱] تاہم ۱۹۷۰ کی دہائی جدیدیت کے

متعلق المسیر ی کی تنقید کو سمجھنے میں معاون اور بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ کیوں کہ اسی زمانے میں اسلامی سیاست کو بھی فروغ ہوا، جو ۱۹۶۷ میں اسرائیل سے عرب کی ہزیمت کے بعد بایاں محاذ تحریکوں کے ذریعے پیدا شدہ خلا کو پُر کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ لیکن ٹیکنالوجی ترقی اور عرب سوشلزم (اشتراکیت) کے دعوے کو ملکی ترقی اور ٹیکنالوجی ترقی کے بہ جائے سیاسی آزادی کے فقدان کو صحیح ثابت کرنے کے لیے غلط استعمال کیا گیا۔ ۱۹۷۰ کی دہائی کو اسلامی سیاست کے انقلاب انگیز زمانے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے، جسے کئی مشہور بایاں محاذ مصری لیڈران کے نزدیک قومی آزادی کی تحریک کے طور پر قبول کیا گیا۔ (۲)

مغرب اور عرب گفتگو میں جدیدیت کو تقریباً روشن خیالی کے نظریات، بالخصوص عقل اور سائنس کے وعدے سے قریب سمجھا جاتا ہے، جو ہمارے انسانی اور معاشرتی وجود کو فروغ دینے کے لیے وجود میں آیا۔ المسیر ی جدیدیت کی اس تفہیم کو ''جزوی سیکولرزم'' قرار دیتے ہیں اور اس کی تشریح ''اخلاقی سیکولرزم'' یا ''انسان دوست سیکولرزم'' کے طور پر کرتے ہیں۔ (۳) المسیر ی کے بیان کے مطابق معتدل سیکولرزم کو تکثیریت کے داخلی اور لازمی حصے کے طور پر عالم اسلام کے بڑے بڑے اسلامی نمائندوں نے قبول کیا اور عالم اسلام کے مشہور علمانے اس کی وکالت کی، جیسے فہمی حویدی، علامہ یوسف القرضاوی، محمد سلیم العوا، ابوالاعلیٰ مودودی، عادل حسین (مصر)، راشد الغنوشی تونسی، طہ جابر العلوانی (عراق)، عبدالحمید ابوسلیمان (سعودی عربیہ)، عزام تمیمی (فلسطین)، پرویز منظور (پاکستان) اور احمد دواغلو (ترکی) اس مکتب فکر کے حاملین نے معتدل سیکولرزم کو قبول کیا اور اس کے داعیوں اور اس کی وکالت کرنے والے کے کردار کو اسلامی معاشرے کی سیاسی زندگی میں رفیق کے طور پر تسلیم کیا۔ (۴)

''دراسة معرفية في الحداثة الغربية'' (مغربی جدیدیت کا علمی مطالعہ) میں المسیر ی نے مغربی سیکولر جدیدیت کے مرکزی مفہوم کی خرابیوں اور نقصانات کو اجاگر کیا ہے اور مغربی سیکولر جدیدیت کی تعریف ''قدروں سے آزاد سائنس اور ٹیکنالوجی کا استعمال'' کے

ذریعے کی ہے۔ (۵) یہ ہمہ گیر سیکولرزم کی ایک شکل ہے، جس کا بنیادی مقصد محض سائنس وٹیکنالوجی کو انسانی ماتحتی، چرچ اور اسٹیٹ سے جدا کرنا نہیں ہے، بل کہ ''مذہبی، اخلاقی اور انسانی تمام قسم کے اقدار سے آزاد کرنا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ریاست اور پبلک یا نجی زندگی سے، بل کہ بڑے پیمانے پر دنیا کی تمام قدروں سے آزاد کرانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اخلاقیات اور قدروں سے آزاد دنیا کی تخلیق کے لیے کوشاں ہے۔''(٦)

''الصھیونیة والنازیة ونھایة التاریخ'' (صہیونیت، نازی ازم اور تاریخ کا خاتمہ) کے تیسرے ایڈیشن کے تعارف میں، جو مشہور مارکسی فرانسیسی دانش ور روجر گراوڈی کے نام منسوب ہے۔ اس کتاب میں المسیری اس حقیقت پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ۱۹۸۰ کی آخری دہائی سے قبل مغربی اسکالر نازازم اور صہیونیت کو ''قدروں سے آزاد عقلی اور سامراجی جدیدیت'' کے ڈھانچے میں سمجھنے سے قاصر تھے۔ تاہم المسیری جدیدیت کی تشریح پر زیگمنٹ بومان کی خوب تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی تحریریں، بالخصوص ''Modernity and the Holocaust'' (۱۹۸۹) ان اہم تحریروں اور حوالہ جات میں سے ہیں، جو انھوں نے جدیدیت کے متعلق علمی واقفیت کے لیے پیش کی ہے۔ (۷) دوسری جگہ پر المسیری ذکر کرتے ہیں کہ بومان کی تحریریں ان اہم تحریروں میں سے ہیں، جن کا انھوں نے بڑے شوق سے مطالعہ کیا ہے، چوں کہ ان تحریروں میں جدیدیت کے ان تاریک پہلوؤں سے پردہ اٹھایا گیا ہے، جو جدیدیت کی خوش کن چمکتی سطح کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ (۸)

مختلف مذاہب اور مختلف وطن وثقافت سے تعلق رکھنے کے باوجود المسیری (عرب، مصری، سابق مارکسی اور مسلم) اور بومان (پولینڈا، برطانوی، سابق مارکسی اور یہودی) دونوں نے یہودی افکار ونظریات اور سیکولر جدیدیت، بہ شمول نازی ازم، نسلیت پرستی، سامراجیت کے وسیع وعریض سوالات تک رسائی کے لیے اور جدید یورپ میں یہودی تجربے

کے متعلق ان کے ڈرامے اور رمز کا استعمال کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بومان اصلاً پولینڈ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی یہ نسبت اس تقابلی مطالعے کو منفرد جہت اور امتیاز عطا کرتی ہے۔ اس لیے جب ہم مغربی دنیا کے یہودیوں کے بارے میں بات کرتے ہیں تو حقیقت میں ہم المسیری کے مطابق پولینڈ کے یہودیوں کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۰ میں المسیری کو اس حقیقت کا اندازہ ہوا کہ مغرب میں مقیم یہودیوں کی بڑی تعداد دراصل اٹھارہویں صدی کی اخیر تک پولینڈ میں مقیم تھے اور اسی مقام کے باشندے تھے، لیکن پولینڈ کی تقسیم کے بعد وہ روس، آسٹریا اور جرمن میں منقسم ہو گئے۔ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں یہودیوں نے انگلینڈ، آسٹریا، کناڈا، امریکا، ساؤتھ افریقا اور فلسطین کی طرف ہجرت کی۔[۹] دوسری طرف پولینڈ میں سیکولر جدیدیت کا دوسرا چہرہ نمودار ہوا اور صرف پولینڈ میں نازی حراستی کے چھ کیمپ بنائے گئے۔ ان میں سب سے بڑا اور مشہور Auschwitz تھا۔ گلبرٹ آچر کے مطابق مستند اعداد شمار بتاتے ہیں کہ ۱۹۴۸ میں تقریباً ۱۷۰۰۰۰ پولینڈ کے یہودیوں نے فلسطین میں مقیم یہودیوں کے بڑے علاقے پر قبضہ جما لیا۔[۱۰] بومان خود ۱۹۶۰ کے اخیر میں اسرائیل کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن یونی ورسٹی آف لیڈس سے ملازمت کی پیش کش کے بعد انگلینڈ جانے کا فیصلہ کیا۔

بومان ۱۹۲۰ میں پولینڈ میں پیدا ہوئے، لیکن دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں پولینڈ پر نازی حملے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقبوضہ سویت علاقے کو فرار ہو گئے۔ ۱۹۵۰ کی دہائی کے اواخر تک بومان نے بھی المسیری کی طرح ہیومنسٹ مارکسزم میں اہم رول ادا کیا اور ایک زمانے تک مارکسزم کے اصول وکلیات کے معتقد رہے۔ ۱۹۶۰ کی دہائی میں بومان ''حکم راں پولش یونائیٹڈ ورکرس پارٹی'' (Polish United Worker's Party) کے ممبر بنے۔ لیکن کبھی انھوں نے کمیونسٹ حکومت کے منصوبوں اور کاموں کی حمایت نہیں کی۔ ۱۹۶۸ کی دہائی میں بومان نے پارٹی کی رکنیت سے دست برداری اختیار کر لی اور ٹھیک

اسی سال ایک یہود مخالف تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے انھیں اور ان کے ساتھ ساتھ دیگر تعلیم یافتہ یہودیوں کو پولینڈ سے دربدر کردیا گیا اور طلبہ فسادات کو ہوا دینے کے الزام میں ان کی شہریت چھین لی گئی۔ بومان کو پہلے اسرائیل جانا پڑا، جہاں وہ تین سال سے زیادہ نہ ٹھہر سکے۔ ان کی اہلیہ جنینا بومان نے میڈلین بنٹنگ (Madeleine Bunting) سے گفتگو کے دوران ملک اسرائیل چھوڑنے کے فیصلے کی حقیقی وجہ بتائی ہے، وہ کہتی ہیں کہ ''یہ بھی ایک قوم پرست ملک تھا اور ہم اسی سے بھاگ کر آئے تھے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ دوبارہ ہم اسی جال میں پھنس جائیں، جہاں سے ہم بچ کر نکلے تھے اور ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اسی گناہ کا ارتکاب کرلیں۔''[۱۱] بومان نے بھی Benedetto Vecchi سے گفتگو کے دوران بلاخوف اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ''میں ایک یہودی ہوں، لیکن اسرائیل کی طرف سے ہونے والی زیادتی اور ناانصافیاں دوسرے ممالک کے بالمقابل مجھے بے حد تکلیف دیتی ہیں۔''[۱۲]

مغربی جدیدیت کو نمایاں کرنے والی قوم پرستی کی تحریک نے بومان کی جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی تشکیل پر کافی اثرات ڈالے ہیں۔ ان کی تنقید کی انفرادیت اور امتیازی خصوصیت اس وقت ابھر کر آئی، جب ان کی مندرجہ ذیل تین جلدوں پر مشتمل کتاب شائع ہوئی:

(1) مقنّنین اور شارحین (۱۹۸۷)

(2) جدیدیت اور ہولوکاسٹ (۱۹۸۹)

(3) جدیدیت اور تضاد (۱۹۹۱)

بومان نے جدیدیت اور جدت پسندی کے درمیان پائے جانے والے مضبوط تعلق سے اپنے یقین کو ترک نہیں کیا۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جدت پسندوں نے جدید سائنس کی تحقیقات کو تسلیم کیا اور سائنسی بنیادوں پر اپنے نظریات کو فروغ دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تاثر پسندوں

(ایک تحریک، جس میں روشنی اور سائے کے استعمال سے احساسات وجذبات کی عکاسی کی جاتی ہے، جسے تاثریت یا ارتسامیت کہا جاتا ہے) نے بینائی سے تحریک لی اور کیوبسٹ (بیسویں صدی کے اوائل میں پیریس کے شہر میں پروان چڑھنے والی جدید مصوری کی انقلابی تحریک، جس کے تحت کسی چیز کی مکمل ساخت کے تصور کا اظہار حقیقی تصویر یا عکس سے قطع نظر اقلیدسی اشکال اور سطحوں سے کیا جاتا تھا) نے نظریۂ اضافیت سے تحریک لی اور سوریلزم (آرٹ اور ادب میں بیسویں صدی کی تحریک، جو تحت الشعور کی عکاسی سے تعلق رکھتی ہے) نے تحلیل نفسی (سائیکو انالیس) سے تحریک لی۔[۱۳] دوسری جگہ کہتے ہیں کہ اگر جدیدیت کی بنیادوں کو قبول نہیں کیا جاتا تو جدت پسندی وجود میں نہیں آتی، بالخصوص حقیر لوگوں کی ساخت بورژوا، پس ماندہ، ناشائستہ اور غیر مہذب لوگوں کی اجتماعی تصویر میں وجود میں نہیں آتی۔[۱۴]

یہ سچ ہے کہ نازی ہولوکاسٹ نے بومان کی نجی زندگی پر براہ راست کوئی اثر نہیں ڈالا، لیکن ان کی اہلیہ جنینا کو یہودی عورت کی حیثیت سے ایک وارسا ؤ یہودی محلے میں بہت زیادہ پریشانیوں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حالات سے متاثر ہو کر جنینا نے اپنی یادداشت کی ڈائری ''Winter in the morning'' مرتب کی۔ اس ڈائری نے ہولوکاسٹ کی طرف بومان کی دل چسپی میں اضافہ کر دیا اور ان کے جذبۂ احساس کو جدیدیت کی جھلک اور اس کے امکانات کے طور پر بے دار کر دیا، سب سے اہم بات یہ ہے کہ بومان نے انور شپیرا سے گفتگو کے دوران اسرائیل کی ظلم و زیادتی اور ہولوکاسٹ کی ''نج کاری'' پر کھل کر تنقید کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ''یہود صرف ایسی دنیا میں ہی محفوظ رہ سکتے ہیں، جو نیشنلزم کے مکروفریب سے آزاد ہو اور اس میں یہودی قوم پرستی (نیشنلزم) بھی شامل ہے۔''[۱۵] بومان کا مخالف قوم پرستی نقطۂ نظر مشہور برطانوی گروپ کی رکنیت میں واضح طور پر سامنے آتا ہے، جس نے یہودیوں کو انصاف بہ رائے فلسطین کے لیے بلایا تھا۔ یہ گروپ دوسری جماعتوں

سے مل کر کام کرتا ہے، جیسے اسرائیلی جابرانہ تسلط کے خلاف لکھنے والے صحافی، آزاد قلم کار اور فلسطینیوں کی انصاف آوری کے لیے کام کرنے والے یہودی طلبہ۔ یہ تمام اس نظریے کو فروغ دیتے ہیں کہ فلسطینیوں کو انصاف دیے بغیر اسرائیل کے لیے امید کی کوئی کرن نہیں ہے۔ لہٰذا وہ وسیع پیمانے پر جابرانہ تسلط کو ختم کرنے والی مہم کو فروغ دینے کے لیے براہ راست کوشش کرتے ہیں۔ فلسطینیوں کے حقوق کی بازیابی کی حمایت کرتے ہیں، اسرائیل کے جابرانہ تسلط کی مذمت کرتے ہیں اور غیر قانونی آبادکاری اور ان فوجیوں کے جبر وتشدد کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، جو نہتے مظلوم فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھاتے ہیں اور ان معصوموں کو زیادتی کا شکار بناتے ہیں، جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی وسیلہ۔

پولینڈ سے بومان کی جلاوطنی نے جدیدیت کے نتائج کی تشکیل میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ اس نے بومان کو سرسری فائدہ پہنچایا، یہی چیز غریبوں، اجنبیوں اور جلاوطن کیے گئے لوگوں کے احوال پر توجہ دینے کا سبب بنی۔ (بومان نے اجنبیوں کے خانہ بدوشانہ وجود کی دانش ورانہ رہ نمائی کی اور فیڈرک رافیل، جارج اسٹینز اور لڈونگ وِٹ جنسٹن کے یکساں بیانات کی روشنی میں وجودیت کے اس دانشورانہ طور پر زرخیز طرز کا خلاصہ پیش کیا، جو بالترتیب اس طرح ہیں): (۱) ''میرے ایک یہودی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر جگہ بغیر کسی مقام کے ہوں۔ (۲) میرا وطن میرا ٹائپ رائٹر ہے اور (۳) ریلوے اسٹیشن ہی وہ جگہ ہے، جہاں فلسفیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ نکتوں کو حل کیا جاسکتا ہے۔''[۱۶]

''جدیدیت اور تضاد'' ۱۹۹۱ میں بومان مغربی جدیدیت کے آزاد خیال تصوراتی دنیا کی ناکامی کے اسباب کا سراغ لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوم پرستی کا دائرہ صرف پولینڈ تک ہی محدود نہیں تھا، کیوں کہ اس نے خود تقریباً تمام یورپی ممالک میں ثقافتی امتزاج کے مطلوبہ مقاصد میں اپنی ناکامی واضح کردی ہے۔ بومان وضاحت کرتے ہیں کہ اس جھوٹی شمولیت میں غیر یہودی باطنی تصوف اور مسیحی رجحانات کی برطرفی اور اخراج بھی شامل ہے، صرف

''سالون'' سے تعلق رکھنے والوں اور بائبل آف لوتھر، ہارمن کوہن اینڈ کانت، اسٹینتھل اینڈ ویل ہیلم وون ہمبولڈٹ کو ہی ثقافتی ایڈجسمنٹ کا حق دیتی ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی اکثریت کو ''شائستہ اور مہذب اخلاق'' کی پابندی اور صفائی کے اعلیٰ معیارات کو حاصل کرنے کی تاکید کی گئی۔ جسمانی اور اخلاقی صفائی کی دعوت زبانی صفائی کی مہم کے ساتھ شامل ہوگئی اور یدش (ایک بولی، جو وسطیٰ اور مشرقی یورپی نژاد یہوی بولتے ہیں)، جو Ostjuden (روس، پولینڈ، یوکرین اور گلسیا کے مشرقی یہودی) کی زبان ہے، جرمنی یہودیوں کے درمیان مذاق وتضحیک کا نشانہ بن گئی۔ یدش زبان کی طرح پولش زبان کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھا گیا اور جرمن زبان سے کم تر خیال کیا گیا۔ آسٹ جوڈین کے یہودیوں کو مرض پھیلانے والا امراض کا غلیظ مجموعہ، غیر مہذب وغیر اخلاق وحشی، اجڈ، جاہل قرار دیا گیا۔ (۱۷)

مغرب میں یہودیوں کے اختلاط کی تاریخ پر بومان کا تجزیہ Ostjuden (مشرق اور وسطیٰ یورپ کے یہودی) سے بہت زیادہ مربوط ہے۔ بومان کا کہنا ہے کہ ہولوکاسٹ نے یہودیت (مذہب یہود، جو توحید اور حضرت موسیٰ کے اوامر اور ربیون کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں) کے خیالات ومفہوم پر بہت اثرات مرتب کیے ہیں، کیوں کہ کچھ مذہبی پیشواؤں نے اسے مختلف نظریے سے دیکھا۔ کسی نے اسے ''خدا کی غیر موجودگی'' کا سبب قرار دیا تو کسی نے ''خدا کی ناکامی'' پر محمول کیا۔ انیسویں صدی کے وسط سے فرانس، انگلینڈ اور روس نے نام نہاد غریب، ان پڑھ، پس ماندہ طبقہ اور غیر مہذب یہودی مہاجرین کی تعداد میں اضافے کو روکنے کے لیے کوشش شروع کی، جن کے پاس نجات کے دو بڑے آپشن موجود تھے: صہیونیت اور اشتراکیت۔ پولینڈ میں صورت حال اس سے بھی زیادہ خراب تھی، کیوں کہ وہاں لوگوں میں یہ عقیدہ بالکل راسخ ہو چکا تھا کہ یہودی ایک نامانوس مخلوق اور زہر آلود انسان ہوتے ہیں۔ (۱۸)

انتہائی افسوس ناک اور ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ایک بے ملک قوم (ایسی قوم جس کا کوئی ملک نہ ہو) کی حیثیت سے زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں شخصی کامیابی سیاسی مساوات

اور معاشرتی قبولیت کے لیے کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یورپ میں یہودی برادریوں نے ''ایک خودمختار ریاست'' حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جو اخیر میں ''سیاسی صہیونیت'' اور اس کی نئی ''آزاد یہودی اسٹیٹ'' کی منصوبہ بندی کے ظہور کا سبب بنی:

> اس حقیقت میں بہت کم شک کا پہلو ہے کہ سیاسی صہیونیت کی پیدائش، یعنی سب سے زیادہ اثر انداز اور نتیجہ خیز تھیوڈر ہرزل کا ورژن (سیاسی صہیونیت کا بانی) امتزاجی کوششوں کو توڑنے کا نتیجہ تھا، نہ کہ یہودی روایت اور قوم یہود کی محبت کے احیا کا نتیجہ تھا۔ (۱۹)

باب دوم

انتہا پسند روشن خیالی

ترقی کے استعارے نے بومان کی نظر میں مابعد الطبیعیاتی عقیدۂ آخرت کو سیکولر فطری نقطۂ نظر میں تبدیل کر دیا۔ لیس فلاسفہ تصور ارتقا سے متاثر تھے، کیوں کہ ''جدید ثقافت ایک باغ نما ثقافت کی طرح ہے، جو اپنی تعریف ایک مثالی زندگی کی تشکیل اور انسانی احوال و ضرورت کے مکمل انتظام کے طور پر کرتی ہے۔''(۱) مسیحیت کی طویل حکومت کے برعکس جدیدیت نے تصور آخرت سے وابستگی کا انکار کر دیا اور صرف Here and now، یعنی دنیا و مافیہا کے فارمولے پر توجہ مرکوز کی۔ زندگی کی سرگرمیوں کو زمینی اہداف اور اقدار کی مختلف روایات کے اردگرد منتقل کر دیا اور ان سب نے موت کی وحشت ختم کرنے کی کوشش کی۔(۲)

بومان ایک کلیدی استعارے کا تعارف کراتے ہیں، جس نے جدیدیت کی بنیادی تفہیم میں ان کی ذہن سازی کی: ''جدید حکم راں اور جدید فلاسفہ اولین اور ابتدائی قانون ساز تھے۔ انھوں نے معاشرے میں افراتفری کا مشاہدہ کیا۔ لہٰذا اس پر قابو پانے اور امن امان سے بدلنے کے لیے منصوبہ بنایا۔''(۳) قانون بنانے والے معمولی اور عام آدمی نہیں تھے، بل کہ ذہین وفطین اور غیر معمولی صلاحیت کے پیکر تھے، جو وجود کی حقیقت سے ماورا ہو کر اپنی خدا جیسی نگاہوں کو استعمال کرتے ہوئے خارجی دنیا سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔(۴) ''باغ کا مالی''(Gardner) اور ''قانون ساز''(Legislator) یہ دونوں استعارے ثقافت اور طاقت کے مابین پیچیدہ تعلق کو نمایاں کرنے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔ رچرڈ کالمنسٹر اور لین وارکو بومان کے کام میں اس پہلو کو اجاگر کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ

جدیدیت کو کس طرح ایک عمومی ڈھانچے یا ایک حاکمانہ نظام کے طور پر دیکھتے ہیں؟ اور نئے نظام کی تشکیل کی خواہش نے کس طرح ہمیشہ نئے مسائل پیدا کیے ہیں؟(۵)

بومان تاکید سے کہتے ہیں کہ ''بڑے بڑے روشن خیال لوگوں نے عقلیت پرستی کو گلے سے لگایا، تاکہ انسانی آزادی کو فروغ دیں اور عصبیت، جہالت، اجڈپن، توہم پرستی اور تقلید جامد کو ختم کر دیں۔ لیکن سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ حتمی تجزیے میں ''نئی غلامی ومحکومی''، ''دہشت گردی'' اور ''اجارہ دارانہ معلومات'' کے پیدا ہونے کا سبب بن گئی۔''(۶) بومان مانتے ہیں کہ ''ثقافتی اختلاط کا آزاد نظریہ جدیدیت کے بنیادی تضادات میں سے ہے، اس لیے کہ ''آزادی کا کھیل حقیقت میں تسلط کا کھیل تھا۔'' سب سے اہم بات جو اس کے قلب میں پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ آزادی کی آواز، تنوع، ثقافتی پھیلاؤ، ثقافتی نفوذ اور تکثیریت کے لیے نہیں تھی، بل کہ یکسانیت، یک جنسیت اور آبادی کی جامع یکجہتی کی آواز تھی۔ یہ مختلف الجہت مقصد ''اختلافات کے عدم تحمل'' کے بڑھتے ماحول کا سبب بن گیا۔''(۷)

رائج مغربی سیکولر اور عرب عقائد کے برعکس بومان ایک محرک، طاقت ور خیال کا انکشاف کرتے ہیں کہ روشن خیالی کا منصوبہ حکمت اور آزادی کی روشنی پھیلانے کا بہترین خواب یا عظیم مقصد نہیں تھا، بل کہ اس کا مقصد ریاست کے عزائم کو فروغ دینا اور ''پابندی عمل پر مبنی سماجی نظام پیدا کرنا'' تھا۔(۸) روشن خیالی کو روشنی، خودمختاری، روشن عقلیت اور آزادی کے استعارے کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا، جیسا کہ بومان روشن خیالی سے ''معاون آلۂ کار اور دہشت پسندی کی وجہ'' اور ''مثقف طبقہ کی نسلیت پرستی'' کا چہرہ بے نقاب کرتے ہیں۔(۹)

جہاں تک رہی بات المسیری کی تو وہ روشن خیالی کو ''عالم گیر سیکولرزم کا بنیادی فلسفہ'' سمجھتے ہیں(۱۰) اور بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روشن خیالی، اپنے مثالی نمونے پر مبنی، توحیدی اور عقلی مرحلے کو اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا کے افکار میں پہنچا گئی۔ اس میں کوئی حیرت نہیں کہ انھوں نے صرف ان کے مادہ پرست فلسفہ پر توجہ مرکوز کی، جس

نے روشن خیالی کے میکانیاتی اور نامیاتی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ دوسرے صریح لفظوں میں انتہا پرست روشن خیالی کے ظہور کا تذکرہ ان تحریروں کے سیاق میں کیا گیا ہے، جو دنیا کو میکانیاتی وجود یا نامیاتی وجود کے طور پر مانتے ہیں، جیسے:

La mettrie's *Histoire naturelle de l'âme* (1745) and *L'homme Machine* (1748)
Claude Adrien Helvetius's *De l'Esprit*(1758) and *D l' Homme* (1773)
Paul d'Holbach's *systeme de la nature ou des loix. du monde physique Du monde moral* (1770)
PierreJan Cabanis's *Rapports du physique et du moral de l'homme* (1802)
And Marquis de Condorcet's *Esquisse d'un tableau historique des progres de l'esprit humain* (1795)[۱۱]

روشن خیالی پر المسیری کی تنقید اس شدید اعتراض سے قدرے مشابہ ہے، جو بیسویں صدی کے مؤرخین نے مادہ پرستوں پر بالعموم اور ''جولین اوفرے ڈے لامیٹری'' (۱۷۰۹-۱۷۵۱) پر بالخصوص کیا تھا۔ لیس فلاسفہ پر بہ حیثیت گروپ مطلق العنان آمرانہ ریاست کی ترقی کے ذمے دار ہونے کا الزام لگایا گیا۔ بیسویں صدی اور الحادیت کی خرابی یہ ہے کہ اس نے آدمی کو کائنات میں خاص مقام دینے سے انکار کر دیا۔ روشن خیالی کی میراث مادیت پرستی کے نظریے تک محدود ہو گئی، جو واضح طور پر ''لامیٹری'' کے فلسفۂ فطرت پر کیے گئے بنیادی کاموں میں نظر آتا ہے، جیسے:

L'Homme Machine'L' Histoire Inaturelle de l'am
le systeme d'epicture اور L.'Homme plante.

مادہ پرستوں کو تسلیم نہ کرنے کا عمل ''فاسد افکار پھیلانے والے'' کے طور پر اس حقیقت

کے لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ کارل مارکس کے ذریعے منتخب کیے گئے تھے۔ اس طرح مؤرخین کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ انھیں بیسویں صدی کی خرابیوں، کمیونسٹ حکومت کے عملی اقدام، آمرانہ ریاست کی عروج و ترقی اور ہولوکاسٹ کا انھیں ذمے دار قرار دیں۔ (۱۲)

اس نظریے کو سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جدیدیت کے دائرے کو ''جدید معاشرے کے تاریک پہلو'' تک محدود کرنا ہے، جس کی پیشین گوئی میکس ہوکھیمر اور تھیوڈر اڈارنو کے ذریعے Dialectic of Enlightenment (روشن خیالی کی جدلیات) میں کی گئی تھی، جو اصل میں ۱۹۴۴ کی دہائی میں فلاسفی فریگمنٹ کے ٹائٹل کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ بعد میں اس تنقید کو ہربرٹ مارکوس نے اپنی کتاب ''ایک ہمہ جہت انسان'' ۱۹۶۴ میں انتہا پسندی مانا ہے۔ المسیری پر آسانی سے یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ فرنکفرٹ اسکول کے قنوطیت پسند ثقافت، المیہ، عقلیت کی ویبرین تنقید اور جدیدیت کے آہنی پنجرے کے استعارے سے متاثر تھے، جیسا کہ برنسٹین نے کہا ہے: ہم یہ صاف طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی روشن خیالی اور عقلیت پسندی کی تنقیدوں کو ''ویبرین موضوعات کے تنوعات کی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔'' (۱۳) پھر اس میں کوئی تعجب نہیں کہ المسیری نے اپنی کتاب ''مغربی جدیدیت کا علمی مطالعہ'' میں ویبر کے عقلیت پسند نظریے کے تجزیے پر ایک مکمل باب لکھا ہے۔ اس طرح المسیری ان تمام مغربی نقادوں سے قریب ہو جاتے ہیں، جنھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ بیسویں صدی عقلیت کا عہد ہوگا، جو ہماری روزمرہ زندگی کی نئی تشکیل اور اس کی نئی جہت متعین کرے گا۔

باب سوم

جدیدیت بہ طور عرفانی بیانیہ

المسیری ابتدا ہی سے مطالعہ وکتب بینی کے شوقین تھے اور بچپن ہی سے لائبریری جایا کرتے تھے۔ جب انھوں نے پہلی مرتبہ عبدالرحمٰن بداوی کی کتاب میں لفظ ''Gnosticism'' (لاادریت ایک ایسا نظریہ، جو بیان کرتا ہے کہ خدا کے وجود کو جاننا یا ثابت کرنا ناممکن ہے) پایا تو لفظ کی اجنبیت اور لہجے نے اس قدر پریشان کر دیا کہ پوری زندگی اس لفظ کی جستجو میں سرگرداں اور اس کے متعلق سوچتے رہے۔ ''موسوعة الفلاسفة'' کی دوسری جلد میں عبدالرحمٰن نے نظریۂ توحید اور وحدت الوجود پر مندرجات شامل کیے اور عرفانیت کے موضوع پر چار صفحے میں بحث کی ہے، جس کی تعریف انھوں نے ''مذہبی تصوف اور فلسفیانہ مطالعہ'' کے ذریعے کی ہے۔ عرفانِ خدا انسان کے لیے نجات کا ذریعہ بنتی ہے، کیوں کہ حقیقت میں خدا آدمی ہی ہے اور عرفان کی بنیاد ہی اس پر قائم ہے کہ انسان خود کو خدا تصور کرے۔ یہی واقفیت اور شعور انسان کو نجات کی راہ دکھاتی ہے۔''[1] شاید اس تعریف نے المسیری کو اسلامی عالمی نظریے کو 'عرفانی نظریے' سے دور رکھنے میں مدد کی اور جدیدیت اور سیکولرزم کو قدیم مسیحیت میں رائج مطالعۂ آخرت کی میراث سے دور کر دیا۔

المسیری نے ''عرفانیت'' کو مطلق قادریت اور وحدت الوجود کی دوسری نمایاں قسم کے طور پر دیکھا ہے، ''جن دونوں کو خالص عالمی نظریۂ توحید سے متناقض کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مطلق قادریت تقریباً وحدت الوجود کے قریب المعنی اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور المسیری ان دونوں کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں دیکھتے، مگر وہ سیاق وسباق سے ہر لفظ کا

متعین مفہوم و معنی اختیار کرتے ہیں۔

المسیری کے نظریے کے مطابق غناطسیت کی ابتدا اٹھارہویں صدی میں روحانی پینتھزم (روحانی عبادت) کے طور پر ہوئی، لیکن تھوڑے دنوں بعد مادہ پرست وحدت الوجود کبلہ (قدیم یہودی صوفیانہ عقیدہ) میں تبدیل ہوگئی۔ موسوعۃ کی تالیف کے ابتدائی مرحلے میں المسیری نے اسپی نوزا (روشن خیالی کے ابتدائی مفکر) سے متعلق صرف چند سطور میں بحث کی، لیکن ۱۹۹۰ کی دہائی میں جب مطلق قادریت کا نظریہ المسیری کے ذہن میں نقش ہو گیا تو انھوں نے اسپی نوزا سے متعلق کئی صفحات پر گفتگو کی۔

بومان کی تنقید المسیری کی تنقید سے قدرے مشابہ اور مشترک ہے۔ فرضی خداؤں اور ''نام نہاد سیکولرائزیشن'' کی موت نے نئے سیکولر خدا کو عروج بخشا، جن میں صرف نطشے کا نظریہ ''فوق البشر'' ہی شامل نہیں، بل کہ فطرت، عقلیت اور ترقی جیسے بے شمار خدا وجود میں آئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ لفظ ''خدا'' نے ایسے ضمنی مفہوم اور تعبیرات و کنایہ حاصل کر لیے، جو خدا کے وجود اور عدم وجود پر ہونے والے مذہبی جھگڑے سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ خدا کو سیکولرائز نہیں کیا گیا، لیکن اس نے عقلیت، قوانین تاریخ، تاریخ اور نظر نہ آنے والا ہاتھ کا تصور، جیسے غیر انسانی اقسام میں مجسم خدا کی شکل اختیار کر لی۔ [۲] توحید اور سچائی کی اجارہ داری بھی منظر نامے سے جدا نہیں ہوئی۔

> خدا صرف ایک (اور صرف ایک) کے نظریے کی حمایت اور تائید کرتا ہے، یعنی میرے علاوہ تمھارا کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ نظریہ اپنے تمام مظاہر میں، یعنی ایک جیسے لوگ، ایک دائرہ، ایک لیڈر، ایک پارٹی، تاریخ کا ایک فیصلہ، ترقی کی ایک لائن، انسانیت کا ایک راستا، ایک سائنسی آئیڈیالوجی، ایک حقیقی مفہوم اور ایک فلسفے کی تائید کرتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں صرف ایک پیغام ہی ملتا ہے، وہ یہ کہ چند لوگوں کو طاقت کی اجارہ داری کا حق حاصل ہے اور دوسرے لوگوں کو مکمل نافرمانی کا حق حاصل ہے۔ [۳]

بومان کی طرح المسیری نے بھی جدیدیت کو مثالی نمونے (عملیت پسندی کا نظریہ، جو تمام نظریات وعقائد کو عملی طور پر دیکھتا ہے) کے نتیجے کے طور پر دیکھا ہے، جو جزوی سیکولرزم سے شروع ہوتا ہے اور ہمہ گیر سیکولرزم پر انجام کو پہنچتا ہے۔ انھوں نے تمام جزئی وکلی نمونہ (تجزیہ پسندی اور وحدانیت کا نظریۂ فلسفہ) کا انکار کیا، جو تحریک اور تاریخ کی انتہا کو صرف ایک طاقت کی طرف منسوب کرتی ہو، خواہ مادی ہو یا روحانی۔ المسیری نے مطلق قادریت، جدیدیت اور سیکولرائزیشن کے تمام عمل کو انسان کے درمیان خدا کے سیکولر اوتار (بہ شمول ہیومن ازم اور نظریۂ وعندیت) کے طور پر دیکھا، جو ایک طرح کے لوگ (نسل پرستی اور سامراجیت) ایک لیڈر (فاشسزم) اور طبیعیت (پینتھزم) کی مختلف شکلوں میں موجود ہیں، جو اس بات کی پُرزور تاکید کرتے ہیں کہ دوسرے تجسیم خدا اور مدلولات خدا کی کمی نہیں ہے۔[۴]

المسیری اور بومان نے تمام نظریاتی اور قومی تحریکوں کو نامیاتی اور میکانیکی کی نوعیت کے طور پر مسترد کر دیا۔ تاہم المسیری کا موقف اور تجزیہ بہت زیادہ واضح، فیصلہ کن اور جامع ہے۔ جب وہ تاکید کرتے ہیں کہ ایسی تمام تحریکیں اپنے متبعین اور نظریے کے حامیوں سے ''جدوجہد ختم کرنے اور ٹیکنوکریسی شہر قائم کرنے کا وعدہ کرتی ہیں، یعنی ایسا شہر جو تکنیک میں ماہر ہو، خواہ صہیونی علاقے میں ہو یا ویلفیئر سوسائٹی اور کمیونسٹ معاشرے میں یا جرمن حکومت (تیسری رائخ) میں۔''[۵] جدید آئیڈیالوجی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صرف ''انسانی عمل کی حاکمیت'' اور ''سیکولرائزیشن کی حکم رانی'' سے متعلق ہی گفتگو کرتی ہے، کیوں کہ تمام عرفانی تحریکوں کی آخری کوشش انسانی قانون کو آسمانی قانون کی بنیاد کے ساتھ ختم کرنا ہے اور اس کی جگہ انسانی عالمی نظام نافذ کرنا ہے۔[۶]

المسیری کی مغربی جدیدیت کی تفہیم، اسی طرح وجود اور عدم کے درمیان تمیز کی ثنویاتی تفہیم پینتھزم کے انکار پر مبنی ہے، جو عربی واسلامی لغت میں مختلف ناموں سے دکھائی دیتی ہے۔ ان میں وحدت الوجود، حلول اور فنا شامل ہیں، لفظ وتعبیر اگرچہ مختلف ہے، لیکن تمام مقاصد ایک جیسے ہیں۔ وہ یہ کہ ''انسان کی مجذوبیت واستغراق مکمل طور پر خالق کی طرف

ہو۔''ایک ایسی حالت جس کی تشریح المسیری مکمل اور انسانی مجموعے کے برخلاف ''جنینی حالت'' اور نامیاتی وحدانیت کے طور پر کرتے ہیں۔(۷) تاہم المسیری ان تنوعات کو غیر شعوری انسان کی خوش کن زندگی قرار دیتے ہیں، جو رحم مادر کی خیالی اور بایولوجیکل تسکین کی ترجمانی کرتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ عالم اصغر (جو رحم میں جنین کو خوراک پہنچاتی ہے) اور کائنات کے درمیان موجود خط مبہم ہوگئی ہے۔ المسیری ٹیکنوکریٹک اور سیاسی شہر کی تشریح اس طور پر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے کہ وہ ''تمام مشکلات و مسائل کا آخری حل پانے اور ایک دنیوی جنت بنانے اور تاریخ کی ایک حد وضع کرنے کی حقیقی اور نیک خواہش کے طور پر ہے۔''(۸)

ایک جامع معاشرے کی تعمیر کے واسطے نازیوں نے اصلاً نچلے طبقے کے لوگوں کو بنیادی نشانہ بنایا کہ انھیں Lebensraum (ایسی زمین یا علاقہ، جو کسی قوم کے نزدیک حاصل کرنا ضروری ہو ۱۹۳۰ کی دہائی میں جرمنی کا دعویٰ) سے جلاوطن کر دیا جائے، حتی کہ ان کا استیصال کر دیا جائے۔(۹) نچلے طبقے میں خانہ بدوش، کمیونسٹ، ذہنی معذور اور وہ تمام لوگ شامل تھے، جن کو جدیدیت کے لیے خطرہ اور نقصان دہ بیج سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ ہٹلر کے اشارے پر بیس ملین یہودیوں میں سے چھ ملین یہودیوں کو نیست و نابود کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ اس میں کوئی حیرت نہیں کہ بومان ہولوکاسٹ کو ''صرف یہودی قضیہ یا جرمن مسئلہ نہیں سمجھتے، بل کہ بڑے پیمانے پر جدیدیت کے امکانات میں سے خیال کرتے ہیں اور یہ متمدن معاشرے کے صحت مند جسم پر کینسر سے زیادہ خطرناک اور سنگین ہے۔''(۱۰) جنینا بومان کے مطابق ہولوکاسٹ کے دوسرے زخم خوردہ مظلوم جنھیں آسانی سے بھول بھلیوں کی کوٹھری میں پھینک دیا گیا اور گم گشتہ اوراق کے حوالے کر دیا گیا، اس لیے کہ ان کے پاس اپنا حق مانگنے، آواز بلند کرنے اور مسائل کی تشہیر کرنے کے وسائل و ذرائع کم تھے اور یہودیوں کے برخلاف خانہ بدوشوں میں پروفیسر، قلم کار اور صحافیوں کی تعداد نہیں تھی، جو ان کے مسائل و مشکلات منظر عام پر لاتے اور ان کے حقوق کی طرف داری کرتے۔(۱۱)

باب چہارم
جدیدیت کے نتائج کی نشان دہی

بومان مغرب کے اس سامراجی نظریے کو سرے سے مسترد کرتے ہیں، جس نے ''مقدس زمین'' کو ناپسندیدہ لوگوں کے لیے کوڑ مپنگ گراؤنڈ میں اور نظریہ ترقی کے حامیوں کے لیے ''وعدہ شدہ زمین'' (یعنی خدا کی طرف سے دی گئی زمین) میں بدل دینے کی کوشش کی۔ مفتوحہ علاقوں اور غضب شدہ ونوآبادیاتی علاقوں کی اصل آبادی ''شہر کے ہوموسیسر کے مجموعے'' کے نام سے ازسرنو تشکیل دی گئی۔ (۱) سائنس وٹیکنالوجی نے مغربی جدیدیت کی فوقیت وبرتری اور ناگزیر عروج کے تئیں پختہ یقین کو فروغ دیا، یعنی جامد تہذیبوں کے مقابلے میں جدیدیت کے تصور کو ترقی کے اعلیٰ نقطے کے طور پر فروغ دیا گیا۔ اس علمی نقشے نے مغربی جدیدیت کو تمام اختیارات کا مرکز بنادیا، یعنی یہ خودمختار، خود پر منحصر، مرکز ومرجع اور خود کی جواز دہی اور تصدیق کرنے والا ہوگیا۔ (۲)

بومان کہتے ہیں کہ ''اگر ہولوکاسٹ کو صرف اس طور پر دیکھا جائے کہ وہ کچھ ایسی چیز تھی، جو یہودیوں کے ساتھ پیش آ گئی'' یا ''یہودی تاریخ میں ایک واقعے کے طور پر'' یا ''تنازع، عصبیت یا جارحیت جیسے قضیے کے مشابہ سمجھا جائے تو ہولوکاسٹ کی اہمیت ومعنویت کے ساتھ سماجی طور پر ناانصافی ہوگی اور استحصال مانا جائے گا۔''(۳) سب سے اہم بات یہ ہے کہ بومان اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جرمن یہود دشمنی تنہا ہولوکاسٹ کی بہ خوبی وضاحت نہیں کرسکتی۔ بومان کے مطابق یہود دشمنی کی اصطلاح جوانیسویں صدی کے اخیر میں عموماً استعمال میں آئی، وہ بھی ہولوکاسٹ کی مکمل تصویر پیش نہیں کرتی۔ کیوں کہ اس میں

تاریخی اور عصری شواہد و دلائل کا فقدان واضح طور پر نظر آتا ہے۔[۴]

عصبیت اور نفرت، ماڈرن نسل کشی کو بیان نہیں کر سکتی، کیوں کہ غیر منطقی اور وحشیانہ جذبات نہ تو ہولوکاسٹ کے بڑے اسباب میں سے تھے اور نہ ہی اس کے محرکات تھے، بل کہ نازیوں کا آخری اور حتمی مقصد اٹوپیائی دنیا اور مکمل نقشے کی تعمیر کرنا تھا۔ ہولوکاسٹ کی صورت میں مکمل معاشرے کا خاکہ ہزاروں سال قبل سابقہ جرمن حکومت (رائخ) یا آزاد جرمن مملکت کی خواہش تھی۔[۵] لہٰذا جدید سائنس و ٹیکنالوجی اور بیوروکریسی جیسے دیگر وسائل اس مقصد کی حصول یابی اور اس کے تئیں لوگوں میں بے داری لانے کے لیے استعمال کیے گئے، نہ کہ غیر منطقی جذبات کا استعمال کیا گیا۔[۶]

عقلیت پسند ثقافت اور بیوروکریٹک سے متعلق میکس ویبر کے تحلیل و تجزیے پر تبصرہ کرتے ہوئے بومان نے ہولوکاسٹ کے ''بیوروکریسی'' کی نشان دہی کی ہے اور ایس ایس ہیڈ کوارٹر میں واقع اس ڈپارٹمنٹ کا نام جو یہودیوں کی تباہی کا انچارج تھا، وہ ''دی سیکشن آف ایڈمنسٹریشن اینڈ اکانومی'' تھا اور فائنل سلوشن کا تصور (۴۰-۱۹۴۱ کے عرصے میں نازیوں کی یورپی یہودیوں کو ختم کرنے کی پالیسی عام طور پر جرمن نازی دور میں یہودیوں کی نسل کشی کے لیے Endlosung، یعنی یہودیوں کے سوال کا حتمی حل استعمال کرتے تھے) بیوروکریٹک ثقافت کا نتیجہ تھی۔ نازیوں نے یہودیوں کے استیصال و بیخ کنی کا منصوبہ اس وقت بنایا، جب وہ یورپ میں رہنے والے یہودیوں کے لیے ڈمپنگ گراؤنڈ کے طور پر کوئی زمین پانے میں ناکام ہو گئے، خواہ وہ نیسکو میں ہو یا مڈگاسکر میں یا آرچینجل آستر خان کے حدود سے باہر ہو۔ بومان اس بے بنیاد خیال کا انکار کرتے ہیں کہ ہولوکاسٹ ''جدیدیت سے قبل ہونے والی بربریت میں بچے ہوئے ان لوگوں کے غیر منطقی بہاؤ کا نتیجہ تھا جن کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کیا گیا تھا۔'' اس کے بہ جائے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ (نسل کشی) ''جدیدیت کے گھر میں جائز مکین تھا۔'' اس دعوے کے ثبوت میں بومان ڈاکٹر سرویتس کے

دفاعی موقف کا حوالہ دیتے ہیں، جو یروشلم میں ۱۹۶۱ کی دہائی کے دوران ایک مقدمے کی سماعت کے موقعے پر اڈلف ایکمان کے وکیل نے اختیار کیا تھا۔ ''ایکمان نے وہ افعال انجام دیے، جن کی وجہ سے اگر کوئی فتح یاب ہوتا تو اسے سرفراز کیا جاتا اور کوئی ہارتا تو دار کے حوالے ہوجاتا۔'' دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیوروکریٹک اور عقلی عمل جدید دنیا کے نقشے میں ''فطری اخلاقی اقدار کی حیثیت نہیں رکھتی'' اور اخلاقی ارتقا ''عمل سے الگ وجود رکھتی ہے۔''(۷)

نازی ازم کے زیرِنگرانی سائنسی ادارے قائم کیے گئے، تاکہ وہ ''یہودی مسائل'' کا جائزہ لیں اور ان کے لیے عقل پر مبنی حل فراہم کریں۔ یہودی قتلِ عام کو یورپ کے علاج یا ذاتی صفائی یا یہودیوں کی صفائی کے طور پر بتایا گیا اور یہودی قاتلوں کی تصویر ''معاشرے میں عقلی نظام کی مشق'' اور ''خاص نقطۂ نظر، فلسفہ اور علوم سائنس کے اصول ومبادی کو بہ روئے کار لانے کے لیے ایک منظّم کوشش'' کے نتیجے کے طور پر بنائی گئی۔(۸) تاہم سائنس کا غلبہ واختیار جرمن تک ہی محدود نہیں تھا۔ بومان کی نظر میں جرمن یونی ورسٹیاں دوسرے عصری ممالک میں ان کے جز ولازم کی طرح تھے، جن میں سے ہر ایک نے ''بڑی ہوشیاری سے سائنسی فکر کو اقدار سے آزاد عمل کے طور پر فروغ دیا۔''(۹) لہٰذا سائنس نے افکار ونظریات کا ڈھانچہ بن کر اور اداروں کا مربوط نظام بن کر انتظامی امور میں ضعف پیدا کر کے اور تمام معیاری افکار بالخصوص اخلاق اور مذہب کی بنیاد میں شک کے بیج بو کر اجتماعی نسل کشی کا راستا ہموار کردیا۔(۱۰)

بومان کی بحث اور تنقید کا فائدہ اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ یہ اس مفروضہ کو مسترد کرتا ہے جس کے مطابق ہولوکاسٹ ایک یہودی معاملہ یا جرمن پریشانی کا سبب یا نازی ایجاد یا نیشنل سوشلزم کی پیداوار ہے، بل کہ جدید عقلیت کے امکانات میں سے ہے، جو سیاسی اور اخلاقی طور پر غیر واضح ہے۔ سوشلوجی آفٹر دی ہولوکاسٹ (سماجیات ہولوکاسٹ کے بعد) (۱۹۸۸) میں جو ''جدیدیت اور ہولوکاسٹ'' کے تعارف کا ابتدائی نسخہ ہے، اس میں بومان بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہولوکاسٹ عقلی طور پر سوچا سمجھا عمل ہے، جسے محض بے قابو

جذبات کی مجبوری نہیں کہا جا سکتا۔ بومان کے نظریے کے مطابق جدیدیت ایک طاقت ور اور مستحکم ریاست کے وجود کی خواہش رکھتی ہے۔ باوجود یہ کہ یہ خواہش انفرادی عمل کو بے اثر کرتی ہے۔ پھر اس میں کوئی تعجب نہیں کہ بومان ہولوکاسٹ کی اس توضیح کا بھی انکار کرتے ہیں، جو ہولوکاسٹ کو یورپین مسیحیت کی یہود دشمنی کے عروج کا سبب قرار دیتے ہیں یا اس مداخلت کے طور پر دیکھتے ہیں، جو تاریخ میں جرمن یہود دشمنی اور نازی حیوانیت کے ذریعے وقوع پذیر ہوا۔ بومان کا انسانی نظریہ اس وقت عروج پر پہنچا، جب بومان نے ہولوکاسٹ کے غلط استعمال اور اس کی الم ناک یادوں کو اسرائیلی سیاست کی شہادت کے طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا یا اس ظلم و زیادتی اور ناانصافی کی پیشگی کی حیثیت سے، جو بالخصوص فلسطین کے مظلوموں اور عمومی طور پر عرب دنیا کے ساتھ پیش آسکتا ہے۔ بومان کے نظریے کے مطابق ہولوکاسٹ غیر منطقی وحشیانہ جذبات کا نتیجہ نہیں تھا، بل کہ سائنسی جدید ترقی یافتہ اسلحہ اور سائنسی اداروں کا نتیجہ تھا۔ یہ بات سچ ہے کہ عقلیت پر مبنی اوزار کو ہولوکاسٹ کے بڑے اسباب کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن وہ اس کا لازمی حصہ ضرور تھا۔[11] بہر حال بومان ہولوکاسٹ کو نہ تو جدیدیت کی نارمل حالت مانتے ہیں اور نہ ہی عملیت پسندی خیال کرتے ہیں، بل کہ وہ ہولوکاسٹ کو جدیدیت کے امکانات میں سے قرار دیتے ہیں اور جدیدیت کی جھلک اور زیادہ صحیح طور پر جدیدیت کا امتحان قرار دیتے ہیں، جس کا سامنا کرنے سے مغربی دنیا بچنا چاہتی ہے۔

جدیدیت کے نتائج کی نشان دہی کرتے ہوئے المسیری ان تمام نظاموں پر تنقید کرتے ہیں، جو مکمل اختیار اور کامل غلبہ چاہتے ہیں، جیسے مارکسزم کا مطالبہ اور کوشش ایک ایسی کمیونسٹ سوسائٹی کا قیام ہے، جو ہر طرح کے اختلاف اور تضادات کے مظہر سے خالی اور پاک ہو۔ لبرلزم کی خواہش اور طلب سائنس وٹیکنالوجی کو انسانی ضرورتوں اور خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا ہے۔ نازی ازم کا خواب مکمل اختیار و غلبہ اور عقلیت پرستی کا تسلط قائم کرنا ہے۔ نئے عالمی نظام جن کا مقصد ایک ایسے ہمہ گیر طبعی قانون کو وجود میں لانا ہے، جو

تہذیبوں کے درمیان فرق و امتیاز اور اختلافات کو نظر انداز کرے۔ اسی طرح صہیونیت، جن کی عظمت نازیوں کے خون اور روح کی طرح ہے (یہ نازیوں کا نعرہ تھا، جو ہٹلر اور نازیوں کے ذریعے استعمال کیا گیا یہ بتانے کے لیے کہ جرمن شریف خون رکھتے ہیں، صرف انھی کو جرمن میں رہنے کا حق ہے)، گو کہ صہیونی نظریہ اور عملی اطلاق ہمیشہ مغربی سامراجیت اور مغربی مادیت کے سیاق وسباق میں سمجھا جاتا ہے۔

بومان کی طرح المسیر ی نے ہولوکاسٹ پر ٹھوس عقلی مادیت کے ''مثالی مرحلے'' کی طرح توجہ دی ہے، اس نے ایک ایسے ہمہ گیر انسانی حالت کو فروغ دیا، جسے المسیر ی کے مقرر کردہ استعارے ''کارکرد طبقہ'' (فنکشل گروپ) کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ استعارہ بومان کے استعارے ''اجنبیت'' اور ''خانہ بدوش'' سے بہت زیادہ قریب ہے۔ المسیر ی ان مغربی سر برآوردہ شخصیات اور ان کے عمیق اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو ''کارکرد طبقہ'' (فنکشل گروپ) کے کردار کو سمجھنے میں معاون ہیں۔ ان میں جارج سمل، کارل مارکس، ماکس ویبر اور ورنر سومبرٹ شامل ہیں۔[۱۲] تاہم المسیر ی نے اجنبی استعاروں کو ہمہ گیر واضح مفہوم والے استعاروں سے بدلنے میں ناکامی پر مغربی اسکالروں پر تنقید کی ہے۔ ''اسٹرینجر'' کی جگہ فنکشنل گروپ کے استعارے کے ذریعے المسیر ی نے ایک ایسا جامع و ہمہ گیر نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جو لوگوں کی بڑی تعداد کو شامل اور ان کا احاطہ کرسکتا ہے، خواہ وہ باہر سے آنے والے ہوں یا نئے شامل کیے گئے ہوں۔

بومان کہتے ہیں کہ نیشنل سوشلزم کے حامیوں نے جدیدیت کی تعریف ''معیشت اور مالی اقدار کی حکمرانی'' کے ذریعے کی ہے۔ وہ باور کرتے ہیں کہ ''اعلیٰ طرزِ زندگی اور اعلیٰ انسانی معیارات'' کے فقدان کے پیچھے بڑی وجہ یہودی نسلی امتیازات ہیں۔[۱۳] اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو جونک اور خوں خوار درندے کی طرح دوسروں کا خون چوسنے والا سمجھا گیا، لہٰذا وہ زندگی کے بہ جائے موت کے مستحق ہیں۔ المسیر ی کے مطابق سب سے افسوس ناک

پہلو یہ ہے کہ یہودیوں کو صہیونی گفتگو میں مستقل مظلوم اور ہمیشہ طفیلی وجود کے تصور کو انصاف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غیر یہودیوں کو ہمیشہ بھیڑیا تصور کیا جاتا ہے۔ (۱۴)

باب پنجم

بومان اور مابعد جدیدیت سیکولر معمہ

بومان کی نظر میں مابعد جدیدیت کی اصطلاح ان حالات کی خصوصیات اور خدوخال کی نشان دہی کرتی ہے، جو بیسویں صدی کے آغاز میں متمول ممالک میں رونما ہوئے اور اس صدی کے وسط میں اس نے موجودہ شکل اختیار کر لی۔ (۱) تاہم بومان نے مابعد جدیدیت کی اصطلاح بالکل ترک کر دی اور اس کی جگہ ''سیال جدیدیت'' کے استعارے کو ترجیح دی۔

سیال جدیدیت یہ ایک نیا استعارہ ہے، جس کو بومان مغربی جدیدیت میں لاحق تبدیلیوں کا خاکہ پیش کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ سیال زندگی میں بومان انسان کی حالیہ طرز زندگی کی تعریف ایک ایسی ''سیال زندگی'' کے طور پر کرتے ہیں، جو ''غیر یقینی'' کی بڑھتی ہوئی صورت حال اور ''جلد تبدیل ہونے والے واقعات'' یا ''نئی ابتدا کے ارتقا'' یا ''غم سے آزاد آرام دہ انجام'' سے مغلوب ہے۔ (۲) اس سیال طرز زندگی کا مقابلہ وموازنہ میوزیکل چیئرس کے اس پرخطر اور پرخوف کھیل سے کیا جاتا ہے، جو کم زور اور غریب شخص کو اور ان تمام لوگوں کو دائرے سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دیتا ہے، جو تیزی سے بدلتی سیال زندگی سے ہم آہنگ ہونا نہیں چاہتے۔ ترقی صرف ''حسین خواب اور پرکشش توقعات'' یا ''بنیاد پرست رجائیت'' کا استعارہ نہیں اور نہ ہی ''مشترک دنیا اور باقی رہنے والی خوشی'' کا استعارہ ہے، بل کہ ایک ڈراؤنا خواب اور تلخ حقیقت ''میوزیکل چیئرس کا کھیل'' ہے، جس میں ایک سیکنڈ کی لاپرواہی یا بے توجہی شکست فاش اور کھیل سے محرومی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (۳)

ٹھوس جدیدیت کے برعکس سیال جدیدیت ''صرف کے میدان میں لذت والے اصول کے آزاد اختیار سے مربوط ہے۔'' اس لیے کہ حقیقت پسندی اب خوشی کی دشمن نہیں ہے، اس کے

برعکس ''خرچ کرنا ایک ذمے داری اور فریضہ'' ہے۔ یہ ''رمزیہ مقابلہ'' عطا کرتی ہے اور ''بہترین زندگی کی تعریف'' کو اجارہ دار بناتی ہے۔[۴] یہاں بومان کا مقالہ فرائڈ کے پرانے تورات (مرثیہ) سے بالکل برعکس ہے۔ کیوں کہ موجودہ وقت میں حقیقت کے اصولوں کو ''انصاف کی عدالت میں خود دفاع کرنا پڑتا ہے، جہاں خوشی کے اصول کی صدارت ہوتی ہے۔''[۵]

عصری سیال عہد میں امکانی صارفوں کی ادراکی تشکیل میں گم راہ کن درج ذیل علامات اشیا کے ذریعے جوڑ توڑ کی گئی: (۱) نامور شخصیتوں کی سند (عوامی شخصیات، عظیم کھلاڑی، مقبول اداکار اور نغمہ گار) (۲) سائنس کی سند (سائنسی سروے، اعداد وشمار اور الجبرائی فارمولوں کی سند) یہ سندیں ''سماجی قبولیت کی علامات''، ''معقول اور ٹھوس معلومات'' اور ''اچھی معلومات پر مبنی انتخاب'' ہیں۔[۶] بومان کا کہنا ہے کہ سیال جدیدیت کو ایک ''کیسینو جیسی ثقافت'' کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جس میں زندگی خود سے منسلک، ''خود سے متعلق اور خود پر مرکوز اپی سوڈ'' کے انفرادی کھیلوں، ''نئی شروعات کے ایک سلسلے''، یا ''افسانوں کے ایک مجموعے'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔[۷] بومان کے مطابق سب سے تکلیف دہ صورت حال یہ ہے کہ پر آسائش صارفیت کام یابی اور شہرت کی نشانی بن گئی ہے۔ بعض مخصوص اشیا کی ملکیت اور ان کے استعمال کو خوشی اور شاید انسانی وقار کی ایک لازمی شرط سمجھا جانے لگا ہے۔[۸]

جیسا کہ بومان اپنے فکر انگیز مقالے جنس کے مابعد جدیدیت استعمالات (On Postmodernity uses of sex) میں اشارہ کرتے ہیں کہ مابعد جدیدیت کی اصطلاح میں جنسی عمل ''ہیجان شہوت کے اثر پر خوب توجہ مرکوز کرنا ہے...... اس کا سب سے مقدم عمل مستحکم وطاقت ور، لامحدود وتغیر پذیر، کامل محبت اور مثالی تجربات منتقل کرنا ہے۔''[۹] جنسی لطف اندوزی صرف فیملی کی سیالیت سے مربوط نہیں، جو معاشرتی اتحاد کی بنیاد کے طور پر ہوتی ہے، بل کہ والدین کی محبت اور قربت میں پیش آنے والے خطرات سے مربوط ہوتی ہے۔[۱۰] سیاحوں اور خانہ بدوشوں کو 'معاصر زندگی کے بڑے استعارے' اور نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہم تمام لوگ ایسے متصل خط پر نقشہ کی طرح بنائے گئے ہیں، جو ''مکمل سیاح'' اور 'لاعلاج خانہ بدوشوں' کے قطب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔[۱۱]

باب ششم

المسیر ی اور مابعد جدید سیالیت

بومان کے برعکس جن کی جدیدیت پر تنقید نے مابعد جدیدیت کے وقوع کی پیش بینی کی تھی، المسیر ی نے کبھی بھی جدیدیت کو آزادی، اجتماعیت اور تسامح و رواداری کے نئے افق کے طور پر نہیں دیکھا۔ اس کے برعکس انھوں نے اس کو الحاد اور عملیت پسندی کے اعلیٰ شعور سے مربوط نظریۂ اضافیت (فلسفہ کی ایک قسم) کے طور پر دیکھا۔ بومان کے برعکس، المسیر ی ابتدا ہی سے کہتے آئے ہیں کہ مابعد جدیدیت دنیا کو کچھ نہیں مانتی، سوائے اس کے کہ یہ ایک خالص مادہ پرستانہ شے ہے، جو بغیر کسی مقصد کے مسلسل تغیر میں ہے جب کہ بومان مابعد جدیدیت سے بڑی عظیم توقعات رکھتے تھے۔ بومان کے علاوہ جو لوگ جدیدیت کے منصوبے پر پوری طرح متفق تھے اور بڑی بڑی توقعات رکھتے تھے، المسیر ی نے کبھی بھی اس بنیادی زعم کو ترک نہیں کیا، بل کہ ہمیشہ اس موقف پر قائم رہے کہ مابعد جدیدیت جدیدیت کی ناکامی اور اس کے دیوالیہ پن کے مترادف اور ہم معنی ہے۔ (۱)

سیال غیر عقلی مادیت کے عہد میں تقریباً پوری انسانیت کو کارکرد طبقہ (Functional Group) اور غلام طبقہ (Mamluks) میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مابعد جدیدیت ارنسٹ گیلز کی اصطلاح آفاقی مملوک The Universal Mamluk المسیر ی کی اصطلاح ''کارکرد طبقہ'' سے مشابہت رکھتا ہے۔ مؤخر الذکر اصطلاح جامع سیکولزم کے عہد کا رمز ہے اور المسیر ی کے حساب سے اس میں مغربی اور خلیجی مہاجرین، صنعت کار علاقے میں کام کرنے والے (طوائف، سکریٹری، میزبان خواتین، فلم اسٹار، تمام

کھلاڑی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور جنسی ملکائیں)، سیاح، فوجی، سیاسی اور تہذیبی نمائندہ گان شامل ہیں۔[۲]

بومان نے جنس کی مابعد جدیدیت کے اہم استعاروں میں سے ایک استعارے کے طور پر نشان دہی کی، اسی طرح المسیری کہتے ہیں کہ عقلیت پرستی اور سیکولرزم کی بڑھتی صورت حال نے نئے نئے ہیجانی استعاروں اور شہوانی اصطلاحات کو اس طرح فروغ دیا ہے کہ ''انسانی جسم جدیدیت کے دور میں بنیادی استعارہ ہو گیا تھا۔اب جنس بہ درجۂ اعلیٰ مابعد جدیدیت کا سب سے بڑا استعارہ بن چکا ہے۔''[۳] المسیری بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جدید مغربی فلسفے میں جنس کو تمام چیزوں پر علمی فوقیت دی جاتی ہے[۴] اور یہ فوقیت دراصل دنیا سے اقدار، فرائض و واجبات اور ذمے داریوں کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔[۵]

جنسی عمل زوجین کے باہم جنسی مباشرت اور خارج ہونے والے سیال اثرات کے ظہور کے ساتھ مربوط ہے اور آرام دہ اور پُرسکون جنسی عمل سے مربوط ہے یا جس کی طرف المسیری عام طور پر ''Instant Sex'' کے طور پر نشان دہی کرتے ہیں۔جنسی عمل اور قدروں کو علانیہ الگ کر دیا گیا اور اسے صرف ایک عارضی جسمانی رشتے تک محدود کر دیا گیا، جس کا مقصد عارضی وفوری تسکین عطا کرنا ہوتا ہے۔اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تعجب نہیں کہ عصمت فروشی صرف معاشی ذریعہ ہوتی ہے اور لغوی علامت رکھنے والی عصمت فروشوں کو ''سیکس ورکر'' میں بدل دیا جاتا ہے۔ نئے الفاظ اور مفہوم سے مرکب ایک نیا رمز و کنایہ معاشرے میں طوائف کو مزدور اور معاشی طاقت کے طور پر پیش کرتا ہے۔[۶]

المسیری کہتے ہیں کہ سیال کاری کا ایسا ہی عمل دوسرے الفاظ وتعبیرات کی تبدیلی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے، جیسے ''ناجائز بچے'' (غیر شادی شدہ ماؤں کے بچے)، ''ایک ماں یا ایک باپ کے بچے''، ''ازدواج کے بغیر پیدا ہونے والے بچے''، ''قدرتی بچے'' اور ''نیک بچے''، مختصر یہ کہ یہ تمام قدرتی بچے ہیں۔المسیری دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیال

مابعد جدیدیت جنس یا صحیح لفظوں میں سیکولرائزیشن اور جنس کا غیر فطری عمل انسان کو ''پیچیدہ انسان Complex human being'' (ماں/ باپ، شوہر/ بیوی، مرد/عورت) کے طور پر پیش کرتا ہے۔ المسیری ظریفانہ انداز میں کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیالیت جنس کا طبعی ارتقا، محرمات ممنوعہ کے ساتھ زنا، ہم جنس پرستی اور حیوانیت پرستی میں فرق مٹا دیتا ہے، یعنی ان کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رکھتا۔ (۷)

موجودہ وقت میں فلسفے میں دل چسپی کے بہ جائے حیوانیت پرستی اور بچوں کی طرف جنسی میلان عام ہوگیا ہے۔ (۸) سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ غیر فطری جنسی عمل، جو انسان کی طبیعت وفطرت پر ایک یلغار ہے، اس کا انسانی حقوق کا نام دے کر دفاع کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ انسان کو محض گوشت پوست کا ٹکڑا سمجھا گیا، جن کو صرف شہوانی خواہشات کی تکمیل اور جنسی عمل کی تسکین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (۹)

المسیری کے مطابق تجدد پسند ایسی آزاد دنیا تعمیر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، جو ہر طرح کی شناخت، ذہنی تفاوت، تاریخ، اصولیات، سچائی، تقدس اور فضیلت و برتری سے ماورا ہو۔ یعنی ایسی دنیا جہاں من کا راج اور خواہشات کی حکم رانی ہو، ہر طرح کے لہو ولعب اور خواہشات کی آزادی ہو۔ المسیری مابعد جدیدیت آزادی جسم کے تجزیے میں بومان کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ماورائے عقل شے، مقدس ہیبتی یا انسان کا فقدان، لغویات وخرافات کو جنم دیتی ہے اور برائیوں کے تسلط کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مذہبی فقدان بومان کے حساب سے جسمانی آزادی کا سبب بنتا ہے۔ جب صرف جسم حوالہ کا آخری نقطہ بن کر رہ جاتا ہے تو معاشرے کے افکار وخیالات، معاشرتی اور اجتماعی تشخص اور وہ تمام جو ذاتی تقدس یا جسمانی برتری کو بڑھاوا دیتے ہیں، وہ زیادہ دیر باقی نہیں رہ پاتے۔ (۱۰)

المسیری مابعد جدید تصور دنیا میں جنس کی مرکزیت کو واشگاف کرنے والی مختلف مثالیں بیان کرتے ہیں، جیسے: دریدا کی جانب سے ردتشکیل کو ''مسلسل جنسی ہیجان'' کے طور پر بیان کرنا،

بارتھس کی جانب سے ''متن کی مسرت'' کو جنسی تلذذ کے ایک عمل کے طور پر پیش کرنا، تخیل (ماورائیت کی ایک علامت) کے بجائے اندرون میں پوشیدگی کی تقریب (داخلیت کی ایک علامت) اور لفظ مرکوزیت کا مردانہ اظہار مرکوزیت میں، جمالیات اور علم تفسیر کا شہوانیت میں، متنیت کا جنسیت میں، کلامیہ کا مباشرت میں اور عقیدہ معاد کا علم بول و براز میں انضمام وغیرہ)[۱۱]

جنس ''زبان کا قائم مقام'' بن گئی جو تعبیر و تشریح کے خلاف تھی، کیوں کہ یہ ایک ایسا حقیقی، واضح اور مادی حوالہ بن گیا جو ماورائیت کا مذاق اڑاتا تھا، جیسا کہ المسیر ی کہتے ہیں کہ اب مابعد جدید دور میں جمالیات کا مطلب شہوانیت اور بین متنیت کا مطلب جنسیت ہو گیا ہے)[۱۲]

المسیر ی اپنے موضوع اور نظریے کو لے کر بڑے باشعور اور حساس واقع ہوئے ہیں، اسی لیے وہ کبھی مذہب یہود، یہودیت اور صہیونیت میں خلط مبحث کے شکار نہیں ہوتے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ان تمام سازشی نظریات کو مسترد کرتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ مابعد جدیدیت ایک ایسا یہودی رجحان اور خیال ہے، جس کا مقصد تمام ٹھوس عناصر کو سیال میں تبدیل کرنا ہے۔ المسیر ی یہودی علما کے درمیان پھیلے ہوئے اس غلط نظریے کو یہودیوں کے اس تاریخی تجربے کی طرف منسوب کرتے ہیں، جو یہودیوں کو مختلف ملکوں میں منتشر کرنے اور پھیلانے کی غرض سے کیا گیا اور اسے یہودیوں کے اس منصوبے کی طرف کرتے ہیں، جو یہودیوں کو ایک ایسے باشندہ اور خانہ بدوش کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو وعدہ شدہ زمین (Land of Promise) کی حصول یابی کا خواب دیکھتے ہوں۔ اس طرح یہودیوں کو ایسے مہمل لفظ کی طرح باور کیا گیا، جو بیان کردہ معنی و مفہوم سے الگ کر دیا گیا ہو یا ایسے لفظ کے طور پر جو متعدد معانی و مفہوم پر مشتمل ہو۔ یہودیت کے مطالعے میں المسیر ی کی دل چسپی مابعد جدیدیت کی تشریح کے ضمن میں صرف تہذیبی عصبیت کی طرف نہیں بل کہ یہ اس غالب نظریے کی طرف بھی منسوب ہے، جو عالمی جنگ سے قبل اور مابعد یہودیوں کے وجود کو

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نتائج کے طور پر مانتے ہیں۔ ماکس سلورمین (Max Silverman) کہتے ہیں کہ ''مابعد ہولو کاسٹ یہودیوں کی کہانیاں اور ڈرامے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے وسیع وعریض سوالات تک رسائی کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔''(۱۳)

تاہم المسیری اس مفروضہ کو مسترد کرتے ہیں کہ یہودیوں کو مابعد جدیدیت کے عقائد (الحادیت، تنقید اور تفکیک) کے مبلغ کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، اس تہذیب سے بدلہ لینے کی کوشش میں جس نے ابتدائے مسیحیت سے ان پر ظلم کیا ہے۔ یہ عام نظریہ المسیری کی رائے کے مطابق نسل پرستی پر مبنی نظریے کو بیان کرتی ہے، جو یہودیوں کو بھیانک اور ظلمت کے گہرے غار میں ڈال دیتی ہے۔(۱۴)

المسیری یہودیوں کی اس شبیہ (شیطانیت) پر متعجب نہیں ہیں اور زور دے کر کہتے ہیں کہ یہ مغربی ہتھیار کے نسل پرستانہ گفتگو سے ہم آہنگ ہے۔ مغربی دنیا یہودیوں کو خیر وشر سے مرکب ایک عام انسان کی طرح دیکھنے کے بہ جائے انھیں مذہب بیزار یا فنکشنلزم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ المسیری کے نظریے کے مطابق یہودیوں کی تاریخ دوہری نظر سے ترتیب دی گئی ہے اور انفرادی خصوصیت سے کام لیا گیا ہے، کیوں کہ یہ تاریخ انھیں ''مختار قوم یہود'' قرار دیتی ہے، نہ کہ مختلف تہذیبوں اور مختلف سماج سے تعلق رکھنے والے اقلیتی طبقے کے طور پر۔ تمام چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ یہودی قبائل کو متناقض انداز میں کارکرد طبقہ کے طور پر پیش کیا گیا، یعنی تجارت کرنے والے، قرض دہندگان اور انسانی سرمایے کے طور پر پیش کیا گیا یا بہ طور استعارہ، جیسا کہ المسیری نے بیان کیا ہے: ''استعمال شدہ انسانی مواد'' کے طور پر پیش کیا گیا، یعنی ایسا انسان، جو دوسرے انسانوں کے مصالح مرضیات کی خدمت گزاری کے لیے منتقل کیا جا سکتا ہے۔(۱۵)

بومان کی طرح المسیری کا ماننا ہے کہ مغربی تہذیب دنیا کو ''محض خلا'' اور ''ذاتی دل چسپی کے لیے مفید مادہ تصور کرتی ہے'' یا ایسی غیر استعمال شدہ زمین اور خالی میدان سمجھتی ہے،

جو تمدنی مشن کی تلاش میں ہو۔ بومان کے برعکس المسیری ہمیشہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صہیونیت یورپی سامراجیت کی جائز اولاد ہے۔ اسلامی اور عرب تاریخ سے قطع نظر صہیونی طاقتیں فلسطین کو ''غیر آباد'' زمین قرار دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ''فلسطین ایسی سرزمین ہے، جس کی کوئی تاریخ نہیں'' اور ''ایسی غیر آباد جگہ ہے، جہاں پراگندہ بکھرے ہوئے اور منتشر افراد کو بسا دیا گیا ہے۔'' المسیری کہتے ہیں کہ مابعد جدیدیت اور صہیونیت کے درمیان جو بات مشترک ہے، وہ لفظ و معنی کو حقیقت سے جدا کرنے کی زبردست کوشش ہے، تاکہ آسانی سے قوم یہود اور اہل عرب کی شناخت مٹائی جاسکے اور انھیں ایسی بے نشان اور خانہ بدوش قوم بنا دیں، جو دوسری جگہ پر نئی شناخت اور نئی پہچان کے ساتھ آسانی سے منتقل کیے جاسکیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہودی صہیونی نو آبادکار باشندہ بن گئے، عرب فلسطینی مہاجرین بن گئے، فلسطین اسرائیل بن گیا، مغربی کنارہ (ضفۂ غربیہ)، جوڈیا (قدیم فلسطین کا جنوبی حصہ) اور سامریہ (فلسطین کا قدیم شہر) بن گیا اور عرب دنیا ''تر کی پانی''، ''عرب خلیجی سرعیہ''، ''مصری مزدور'' اور ''اسرائیل پالیسی'' پر مشتمل مشرق وسطیٰ کا بازار بن گیا۔ (۱۶)

علاقے کا تصور بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے، جیسا کہ یہ عام طور پر مشرق وسطیٰ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یہ کسی تاریخی، لسانی اور مذہبی حوالے کے بغیر ایک حقیقت پسند جغرافیہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکا کے ذریعے عرب اتحاد اور اسلامی اتحاد کے خلاف قومی اتحاد کو فروغ دیا گیا۔ اس نظریے کے مطابق تمام مشرق وسطیٰ بہ شمول اسرئیل کو عالم گیر مغربی دنیا میں ضم کیا جانا ممکن ہو جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی طرح صہیونیت بھی مکمل ''اضافیت'' کے فلسفے پر یقین کرتی ہے، جو حقیقت اور سچائی کے اصولوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ پھر اس میں کوئی حیرت نہیں کہ شدت پسندی ہی حوالے کا آخری نتیجہ رہ جاتی ہے، جو کھیل میں مقابلے کے اصول وقوانین طے کرتی ہے۔ (۱۷)

صہیونیت سامراجی نقشے سے الگ نہیں ہے، اس لیے کہ صہیونی عمل کا تعین بڑی حد تک صہیونی نقشہ سے ہی طے پاتا ہے، جو حقیقت کی جواب دہی اور اس کے ارد گرد تضادات کو حل کرنے کے بہ جائے طاقت، خرافات، امیدوں، اندیشوں اور خدائی وعدوں پر قائم ہے۔ المسیری ہمیشہ سے یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اسرائیل یہودی اسٹیٹ نہیں ہے، بل کہ کم آبادی والا نوآبادیاتی صوبہ ہے، جو دو بڑے عملیاتی مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہے۔ ایک یہ کہ یورپ کے اضافی یہودیوں پر حکومت قائم کرنا اور دوسرا فنکشنل اسٹیٹ (اسرائیل اسٹیٹ) بن کر مغربی سامراجیت کے تابع ہو کر اس کی مرضی کے مطابق کام کرنا۔ (۱۸)

المسیری یہودی برادریوں کے لیے کارکرد طبقہ (Functional Group) اور اسرائیل کے لیے کارکرد مملکت (Functional State) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ مؤخر الذکر اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں مغرب کے مصالح اور مرضیات کے مطابق کام کرنے والا فنکشنل اسٹیٹ ہے، جو گویا مغرب کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہے۔ (۱۹)

اس تناظر میں المسیری مابعد جدیدیت کی تعریف عملیت پسندی (پریگمیٹک) کے نظریے کے طور پر کرتے ہیں: غریبوں کو موجودہ حالات کے تابع کرنا اور اس کے مطابق ڈھالنا، یہ اس میں پائے جانے والے تضادات اور بدلنے والی چیزوں سے نمٹنے کے بہ جائے حقیقت وسچائی کے ساتھ آزادانہ کھلواڑ ہے۔ (۲۰)

مصنفِ کتاب

حجاج علی نے قاہرہ یونی ورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور تقابلی ثقافتی نظریے میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ڈاکٹر علی ہمبولڈٹ یونی ورسٹی آف برلن، ویسینچاف کالج زو برلن کے متعدد اعزازات و وظائف سے بھی نوازے گئے۔ اس کے علاوہ ''اسلام اور عیسائیت کے درمیان گفتگو''، تحقیقی پروجیکٹ پر کام کرنے کی وجہ سے اناؤتی اسکالرشپ سے سرفراز ہوئے۔ ان کی دل چسپی کا موضوع آسمانی کتابوں کی تشریح اور جدیدیت کی عصری اسلوب میں تنقید ہے۔ وہ ان دنوں مرکز برائے تہذیبی مطالعات اور ثقافتی مکالمات قاہرہ یونی ورسٹی میں ریسرچ گروپ کے رہ نما ہیں۔

حواشی

باب اول: تعارف

۱۔ المسیری، رحلتی الفکریة (میرا فکری سفر)، قاہرة، دارالشروق، ۲۰۰۵، ص:۳۷۶

۲۔ Zubaida, "Trajectories of Political Islam," Political Quarterly, 2000, Supplement 1, vol.71, p.61

۳۔ المسیری، دراسة معرفیة (مغربی جدیدیت کا علمی مطالعہ)، قاہرة، دارالشروق انٹرنیشنل، ۲۰۰۶، ص:۶۹-۷۰

۴۔ المعانی الجزئیةوالمعانی الشاملة (جزوی سیکولرزم اور ہمہ گیر سیکولرزم) قاہرة، دارالشروق، ۲۰۰۲، جلد:۱، ص:۱۰۱-۱۲۶

۵۔ المسیری، دراسة معرفیة، ص:۳۴

۶۔ Elmessiri, "Secularism, Immanence and Deconstruction," in Islam and Secularism in the Middle East. Ed. John Esposito and Azzam Tamimi. (London: Hurst & Co, 2000), p.68

۷۔ المسیری، الصهانیة والنازیة ونهایة التاریخ (صہیونیت اور نازیت اور تاریخ کا خاتمہ) قاہرة، دارالشروق انٹرنیشنل، ۲۰۰۱، ص:۲۹۹

۸۔ المسیری، رحلتی الفکریة (میرا فکری سفر) قاہرة، دارالشروق، ۲۰۰۵، ص:۱۳۸

۹۔ ایضاً، ص:۵۴۳

۱۰۔ Achcar, The Arabs and the Holocaust. G.M. Goshgarian (trans.). (London: Saqi, 2011), p.20.

۱۱۔ Bunting, "Passion and Pessimism," Guardian, London, 5 April, 2003, p.20.

۱۲۔ Bauman and Vecchi, Identity (Cambridge: Polity Press, 2004), p.11.

۱۳۔ Bauman, Intimations of Postmodernity, (London: New York: Routledge, 1992), p.28.

۱۴۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents (New York: New York University Press, 1997), p.97.

۱۵۔ Shapira, "Life in a Liquid World," Haaretz Daily Newspaper, 16 November 2007.

۱۶۔ Bauman, Intimations of Postmodernity, pp. 226-227

۱۷۔ Bauman, Modernity and Ambivalence (Ithaca, N.Y.: Cornell University Press, 1991), pp. 129-140.

۱۸۔ Bauman, "Assimilation into Exile," Poetics Today, vol.17, no.4, 1996, pp. 571-581.

۱۹۔ Bauman, Medernity and Ambivalence, pp. 129-140.

باب دوم: انتہا پسند روشن خیالی

۱۔ Bauman, Modernity and the Holocaust (Cambridge: Polity Press, 1989), p.92.

۲۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents, p.174.

۳۔ Bauman, Modernity and Ambivalence, p.24.

۴۔ Bauman, Socialism: The Active Utopia (New York: Holmes & Meier, 1976), p.24.

۵۔ Kilminster & Ian Varcoe. "Addendum: Culture and Power in the Writings of Zygmunt Bauman," in Culture, Modernity and Revolution: Essays in Honour of Zygmunt Bauman (London: Routledge, 1996), p.217.

۶۔ Bauman, Towards a Critical Sociology, pp.70-74.

۷۔ Bauman, Modernity and Ambivalence, p.71.

۸۔ Bauman, Legislators and Interpreters (Cambridge, UK: Polity Press, 1987), p.80.

۹۔ Torevell, "The Terrorism of Reason in the Thought of Zygmunt Bauman" (The Dominican Council/ Blackwell Publishing Ltd), New Blackfriars, 1995, vol.76. Issue 891, p.145.

۱۰۔ المسیری، المعانی الجزئیة والمعانی الشاملة، جلد:۱، ص:۲۹۰

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۹۴-۲۹۷

۱۲۔ Wellman, La Mettrie: Medicine, Philosophy, and Enlightenment (Durham, NC.: Duke University Press, 1992), p.264.

۱۳۔ Bernstein, The New Constellation (Cambridge: Polity Press, 1991), p.40.

باب سوم: جدیدیت بہ طور عرفانی بیانیہ

۱۔ بداوی، موسوعة الفلاسفة (**فلسفہ کا انسائیکلوپیڈیا**) **بیروت**: الموسوعة العربية للدراسات والنشر، ۱۹۸۴

۲۔ Bauman, Life in Fragments (Oxford UK and Cambridge USA: Blackwell, 1995), pp.15-16.

۳۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents (New York: New York University Press), 1997, p.201.

۴۔ Elmessiri, "Secularism, Immanence and Deconstruction," p.75.

۵۔ اللغة والمجاز بين بيان التوحيد ووحدة الوجود (**لغت اور استعارہ، توحید اور وحدت الوجود کے درمیان) قاہرۃ، دار الشروق، ۲۰۰۲، ص**: ۵۶

۶۔ Voegelin, Science, Politics and Gnosticism, Ellis Sandoz. Ed. (Washington, D.C.: Regnery Publishing, 1997), pp. 67-68.

۷۔ Elmessiri, "Secularism, Immanence and Deconstruction," p.62.

۸۔ المسیری، المعانی الجزئية والمعانی الشاملة، **جلد**: ۱، **ص**: ۱۴۹

۹۔ Bauman, Modernity and the Holocaust, pp. 67-68.

۱۰۔ **ایضاً، ص**: ۷

۱۱۔ Bauman, Janina, "Demons of other People's Fear: The Plight of the Gypsies," Thesis Eleven, 1998, vol.54, No.1, pp.51-56.

باب چہارم: جدیدیت کے نتائج کی نشان دہی

۱۔ Bauman, "The Fate of Humanity in a Post-trinitarian World," Journal of Human Rights, Vol.1 (3), 2002, pp.283-303.

۲۔ Bauman, Legislators and Interpreters, pp. 115-116.

۳۔ Bauman, Modernity and the Holocaust, pp.1-2.

۴۔ ایضاً، ص:۳۱

۵۔ ایضاً، ص:۶۶

۶۔ ایضاً، ص:۱۳

۷۔ ایضاً، ص:۱۴-۱۸

۸۔ ایضاً، ص:۷۱-۷۲

۹۔ ایضاً، ص:۱۲۶

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۱۱۔ Bauman, "Sociology after the Holocaust," British Journal of Sociology, 1988, vol.39, no.4, pp.478-481.

۱۲۔ المسیری، رحلتی الفکریة، ص:۵۹۰

۱۳۔ Bauman, Modernity and the Holocaust, p.61.

۱۴۔ Elmessiri, The Land of Promise (New Brunswick, N.J: North American, 1977), pp.44-45.

باب پنجم: بومان اور مابعد جدیدیت سیکولر معمہ

۱۔ Bauman, Intimations of Postmodernity, p.187.

۲۔ Bauman, Liquid Life (Cambridge: Malden, MA: Polity, 2005), p.2.

۳۔ ایضاً، ص:۶۸

۴۔ Bauman, Intimations of Postmodernity, p.50

۵۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents, p.2.

۶۔ Bauman, Freedom (Minneapolis: University of Minnesota Press, 1988), p.65.

۷۔ Bauman, "As Seen on TV," 2000a, Ethical Perspectives, vol.7 (2), pp.107-121.

۸۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents, p.40.

۹۔ Bauman, "On Postmodern Uses of Sex," Theory, Culture & Society (London: Sage, 1998), vol15 (3-4).

۱۰۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents, p.149.

۱۱۔ Bauman, Postmodernity and its Discontents, p.93.

باب ششم: المسیری اور مابعد جدید سیالیت

۱۔ المسیری، الحداثة و مابعد الحداثة (دمشق، دارالفکر، ۲۰۰۲)، ص:۸۳-۸۶

۲۔ المسیری، المعانی الجزئیة والمعانی الشاملة، جلد:۲، ص:۲۸۶-۲۹۳

۳۔ المسیری،اللغة و المجاز،ص:۴۳

۴۔ المسیری، رحلتی الفکریة،ص:۲۴۸

۵۔ المسیری،اللغة و المجاز،ص:۴۷

۶۔ المسیری ، دراسة معرفیة،ص:۲۵۶-۲۶۰

۷۔ المسیری، المعانی الجزئیة و المعانی الشاملة،جلد:۲،ص:۱۶۰-۱۶۸

۸۔ المسیری، رحلتی الفکریة،ص:۲۴۶

۹۔ Elmessiri, "The Imperialist Epistemological Vision," The American Journal of Islamic Social Sciences (AJISS), Washington, DC and Kaula Lampur, Malaysia, vol.11. no.3, 1994, p.413.

۱۰۔ المسیری، المعانی الجزئیة و المعانی الشاملة،جلد:۱،ص:۱۰۸

۱۱۔ المسیری، اللغة و المجاز،ص:۴۷-۸۸

۱۲۔ المسیری، رحلتی الفکریة،ص:۱۴۹

۱۳۔ Silverman, Facing Postmodernity (London and New York: Routledge, 1999), p.23.

۱۴۔ المسیری، الحداثة و ما بعد الحداثة،ص:۱۴۰-۱۴۳

۱۵۔ Elmessiri, "Understanding the Holocaust," 2000b, Al-Ahram Weekly, No. 507.

۱۶۔ Elmessiri "The Imperialist Epistemological Vision," p.415.

۱۷۔ المسیری ، الحداثه و ما بعد الحداثة،ص:۱۵۵

۱۸۔ Elmessiri, "The Cognitive Map," 2008, Al-" 2000b, Al-Ahram Weekly, No. 507.

۱۶۔ Elmessiri "The Imperialist EpistemologicaAhram Weekly, No.878.

۱۹۔ Bauman, Europe: An Unfinished Adventure (Cambridge: Polity, 2004), p.48.

۲۰۔ المسیری، الحداثة و مابعد الحداثة،ص:۹۳

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے۔

''سیکولر ذہن کی تشکیل'' نامی اس کتاب میں عقلیت اور سیکولر مادیت کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان عقلی تصورات اور دنیا کی تشکیل کے طریقۂ کار نے کس طرح انسانوں کے باہمی جذبۂ تعاون اور سماجی ترقی پر اثر ڈالا ہے؟ یہ جائزہ عرب دانش ورورہ نما عبدالوہاب المسیری (۱۹۳۸-۲۰۰۸) اور ممتاز ماہر سماجیات زیگ مونت بومان (۱۹۲۵) کی آرا و افکار کے تقابل اور محاکے پر مشتمل ہے۔ گزشتہ کچھ دہائیوں میں جدیدیت کے مغربی تنقید نگاروں نے مسلم دانش وران کو نئے افکار و خیالات اور نظریات و تصورات کو فروغ دینے پر آمادہ کیا ہے، جن سے سیکولر جدیدیت اور اس کے نتائج و تغیرات کے تئیں مسلم مفکرین کا موقف معلوم ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کس طرح سیکولر جدیدیت خوش اسلوبی سے حقائق پر پردہ ڈالتی ہے؟

سیکولر نظریے کے حاملین کا عظیم منصوبہ تھا کہ وہ جنت ارضی قائم کریں۔ ایسا شہر، جو دنیا و مافیہا (Here and Now) کے اصول پر قائم ہو۔ ایک ایسی جدید تہذیب، جہاں انسانی عقل، عقلیت پرستی اور ترقی پسندی کی بالادستی ہو۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی شک نہیں کہ خدا آشنا انسانیت کو تصور خدا اور مذہب کی زنجیر سے آزاد کرنا غیر معمولی امر ہے۔

Al-Ittehad Publications Pvt. Ltd

Al Ittehad Publication Pvt. Ltd.
B-35 (LGF), Nizamuddin West, New Delhi-110013
Ph.: +91-11-41827475, 24352732, 24352048
e-mail.: alittehad@gmail.com

978-93-80946-44-3
9789380946443